ماہنامہ
پیام عرفات
رائے بریلی

مرکز
الإمام أبي الحسن الندوي

جلد نمبر۱ شمارہ نمبر۴

اپریل ۲۰۰۹ء / ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دارِعرفات)

نگراں

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دارِعرفات)
مولانا احمد علی حسنی ندوی مدظلہ
(ڈائریکٹر، دارِعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی
محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۷روپے سالانہ: ۷۰روپے
اعزازی (سالانہ) ۵۰۰ روپے

مرکز الامام أبي الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں
رائے بریلی (یوپی) ۲۲۹۰۰۱
E-Mail: alnadwi@yahoo.com

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات"، مرکز الامام أبي الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

دعوت کی ضرورت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

زندہ قومیں تاریخ سے سبق حاصل کرتی ہیں، اس کے نشیب وفراز پر غور کرتی ہیں، عروج وزوال کے اسباب کا جائزہ لیتی ہیں، اور اس کی روشنی میں رخ متعین کرتی ہیں، مسلمانوں کے سامنے اس کی دو بہت کھلی مثالیں ہیں، ایک مثال ہندوستان کی اور دوسری اسپین کی، دونوں جگہ مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی، بعض بعض فرماں رواؤں نے پچاس پچاس سال فرماں روائی کی، دونوں جگہ مسلمانوں کو حکومت سے ہاتھ دھونا پڑا لیکن نتائج دونوں جگہ مختلف سامنے آئے۔ اسپین میں مسلمان مٹ گئے، ان کے کتب خانے جلا دیے گئے، صرف ایک پادری نے غرناطہ میں اسی ہزار مخطوطہ کتابیں جلوا دیں، وہ اندلس جو علم کا مرکز رہ چکا تھا بغداد کے بعد پوری اسلامی دنیا میں قرطبہ سے بڑھ کر علم دوست کوئی شہر نہیں تھا اور وہاں کا تمدن دنیا کو مرعوب کر رہا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ موجودہ سائنسی ترقی کی بنیاد اسپین میں ہی پڑی لیکن جب زوال آیا تو سب ختم ہو گیا، اس کے برخلاف ہندوستان میں حکومت گئی مگر اسلام باقی رہا، مسلمان اپنے دینی وملی تشخص کے ساتھ رہے۔

جہاں تک علمی وتمدنی ترقیات کا تعلق ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی اندلس اسلامی ہندوستان سے کسی طرح کم نہیں تھا، بلکہ علمی میدانوں میں اس نے بعض وہ یادگاریں چھوڑیں جن کی مثال ہندوستان میں ملنی مشکل ہے، اس کے باوجود جب وہاں زوال آیا تو مسلمانوں کا نام ونشاں باقی نہ رہا۔

اندلس اور ہندوستان کا یہ جو بنیادی فرق ہے اس کی شاید سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان صرف محمد بن قاسم اور محمود غزنوی نے فتح نہیں کیا، اس کے پیچھے بڑے بڑے مشائخ اور داعیوں کا ہاتھ تھا جنہوں نے دلوں کو فتح کیا، یہاں کے آٹھ سو سالہ اسلامی دور میں اگرچہ بعض بڑے ملحد وبددین حکمراں بھی گزرے لیکن کسی نہ کسی درجہ میں دعوت وارشاد کا کام جاری رہا، یہاں جس طرح مسلمانوں نے علمی وتمدنی ترقی کی اور ہندوستان کو بیش بہا تحائف دیے اسی طرح انہوں نے اندر کی دولت بھی بانٹی، یہ یہاں کے داعیوں اور مشائخ ہی کا فیض تھا کہ جتنی بڑی تعداد یہاں حلقہ بگوش اسلام ہوئی، اس کی آدھی پونی بھی اندلس میں نہ ہو سکی، اس لیے کہ وہاں دعوت کا کام جس طرح ہونا چاہیے تھا نہ ہو سکا، عیسائیوں کو قریب کرنے اور اسلام سے ان کو مانوس کرنے کے بجائے ان کو یا تو اچھوت بنا کر رکھا گیا یا ان کو ذاتی یا ملکی مفادات کے لیے استعمال کیا گیا، ان کو بڑے بڑے عہدے بھی دیے گئے اور طوائف الملوکی کے دور میں مسلمانوں نے مسلمانوں کے خلاف ان سے مدد بھی لی، لیکن اسلام کا صحیح نمونہ نہ ان کے سامنے آسکا اور نہ پیش کیا جا سکا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کا نہایت غلط تصور ان کے ذہنوں میں بیٹھ گیا۔

ہندوستان میں جو کچھ بھی دعوت اسلام کا کام ہوا اس سے غیروں کے سامنے ایک اچھی تصویر ابھر کر سامنے آئی، اور یہی چیز مسلمانوں کے تحفظ کا ذریعہ بن گئی، اگر دعوت کا یہ کام بھرپور طریقہ پر ہوا ہوتا تو آج یہ ملک مختلف مذہبوں اور تہذیبوں میں بٹا ہوا نہ ہوتا۔

ایک مسلمان کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ اپنی ضروریات پوری کر لے، کمانے اور کھانے اور عیش کے ساتھ زندگی گزار لے، اس کے پاس اس کے مالک کی دی ہوئی ایک امانت ہے جو پوری انسانیت کے لیے ہے، اس کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر ایک تک اس امانت کو پہنچانے کی کوشش کرے، اس کے پاس زندگی کا دستور العمل ہے، اخلاقیات کا وہ نظام ہے جس کی پوری دنیا محتاج ہے، وہ اچھائی اور برائی کا فرق جانتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس کے پاس توحید کا وہ مضبوط عقیدہ ہے جو دنیا کے کسی مذہب میں باقی نہیں رہا، لوگ تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، وہ راستہ کے متلاشی ہیں، ان کو کوئی راستہ بتانے والا نہیں، خدا کے آخری پیغمبر کی امانت کس کے پاس ہے، آخرت کا ستھرا عقیدہ کس مذہب میں باقی رہا، سچائیاں صرف مسلمانوں کے پاس ہیں اور مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکمت اور محبت کے ساتھ دعوت حق کے فریضہ کو انجام دیں۔

دعوت کی یہ اسپرٹ ہی مسلمانوں کے تحفظ وبقا کی بھی ضامن ہے، مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جب جب مسلمان اس اہم کام سے غافل ہوئے انہوں نے الٹا سفر شروع کر دیا، اسپین کی تاریخ بھی اسی کی غماز ہے اور ہندوستان میں بھی اگر مسلمان اس سے غافل ہوتے گئے تو یہ ایک بڑے خطرہ کی گھنٹی ہے، جو قوم صرف لینا جانتی ہو دینا نہ جانتی ہو تو وہ باقی نہیں رہ سکتی، مسلمانوں کو اس ملک میں اپنی نافعیت ثابت کرنی ہوگی، اور یہ بتانا ہوگا کہ ان کے پاس جو دولت ہے وہ کسی کے پاس نہیں، اور وہ دولت ان کو فراوانی کے ساتھ تقسیم کرنی ہوگی، ابھی حالات بگڑے نہیں ہیں، دل کھلے ہوئے ہیں، لوگ بھلائی کے مشتاق ہیں، سچائی پانے کے لیے دلوں میں کسک موجود ہے، مسئلہ صرف پہنچانے کا ہے اور اس کے لیے حکمت اور فکر کی ضرورت ہے۔

موجودہ حالات میں

مسلمانوں کی حکمت عملی کیا ہو؟

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

ہندوستان میں حالیہ سال مسلمانوں کے لئے خاصی فکرمندی اور تکلیف دہ حالات کا سال رہے ہیں اور ابھی اس کے اثرات باقی ہیں، اس میں جارحانہ ہندواحیائیت کی وہ منصوبہ بندی، جس کا آغاز آج سے نصف صدی قبل ہوا تھا ایک حد تک برگ وبارلائی، اور اس نے اپنی کوششوں کی کھیتی سے کچھ پیداوار حاصل کی۔

ہندواحیائیت نے مخالف اسلام پروپگنڈے اور مسلم دشمنی کے پرچار سے یہ کام شروع کیا تھا اور حکومتوں کے افراد اور ملک کے سیاست داں عام طور پر ان تخریبی کوششوں کو غیر اہم سمجھ کر، یا ان کو اپنے مذہبی تعصب کے ذہنی تقاضہ کے مطابق سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے تھے، حتی کہ وہ وقت آگیا کہ اس منصوبہ بندی کے عملی نتائج سامنے آنا شروع ہوئے، جس کا اظہار گجرات میں ہوا، اور اگر ہندوستان کے سارے سیکولر پریس اور عالمی رائے عامہ نے اس کی مذمت نہ کی ہوتی تو شاید گجرات کے اس ایک طرفہ شر وفساد کو ایک ریہرسل کی حیثیت دے دی جاتی، اور آگے کے لئے قدم بڑھتا، اور ظاہر ہے کہ قدم اب جوڑ کے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، مسلم دشمنی کے بیانات آتے رہتے ہیں، اب یہ ملک کے سیکولر ڈھانچہ کو صحیح سمجھنے والوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ملک کے غلط رخ پر جانے کو کس طرح وہ روکیں تاکہ ملک یکجہتی اور جمہوریت وترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ ان کی ذمہ داری کیا ہے؟ اس سوال کا بنیادی جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کا رویہ، جبکہ وہ اس ملک میں ایسی اقلیت میں ہیں جس کا اکثریت کے مقابلہ میں تناسب تقریبا 1/5 کا ہے، بڑے حزم و عزم کا ہونا چاہیے، جس کا مطلب یہ ہے کہ معاملات کو سلجھانے اور حالات کا مقابلہ کرنے میں سوجھ بوجھ اور اسی کے ساتھ عزم و ہمت کو اپنا وطیرہ بنانا، حزم یہ ہے کہ حالات کا بروقت جائزہ لینا اور پھر اس کے تقاضہ کے مطابق طریقہ کار طے کرنا، اور عزم کا مطلب ہے کہ جو تدابیر موقع ومحل کے مطابق معلوم ہوں ان کو ہمت وعزیمت کے ساتھ بروئے کار لانا، یہی دو جہتیں ہیں جن میں مسلمانوں سے کوتاہی ہوتی رہی ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ مسلمان اس سلسلہ میں عموما غفلت سے کام لیتے رہے ہیں، ان کے مخالفین منصوبہ بندیاں کرکے اپنی منصوبہ بندیوں کا نفاذ کرتے رہے، اور مسلمان پیش آمدہ صورت حال کو کم اہم سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے، اور اگر اللہ تعالی کا خصوصی فضل نہ ہوتا تو یہ صورت حال مزید پہلے شروع ہوگئی ہوتی، اور بہت سنگین ہوتی۔

ہندواحیائیت کی جو رَو اس وقت نظر آرہی ہے، بلکہ جس پر عمل درآمد ہورہا ہے، اس کا تانا بانا ایک تو سیاسی ہے اور دوسرا تعلیمی وابلاغی ہے، جہاں تک اس کے سیاسی رخ کا تعلق ہے تو اس کا مقابلہ سیاسی طریقوں ہی سے کیا جاسکتا ہے، اور اس ملک میں اس وقت جو سیاسی مزاج حاوی ہے وہ ہے حصول حکمت اور ذاتی پارٹی کو مضبوط بنانے کا، اور اس میں مذہبی انداز کو عموما اہمیت حاصل نہیں ہے، اس کے معاملات کو مسلمان کہیں اپنے تعاون اور کہیں عدم تعان کے ذریعہ حل کرسکتے ہیں جیسا کہ عموما انجام پارہا ہے، اس میں ضرورت پڑنے پر ذمہ داروں سے رابطہ اور افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرنا اور انتخابات میں شخص سے زیادہ پارٹی کی اہمیت کو سمجھنا ہے اور بتقاضائے حکمت عملی مناسب طریقہ اختیار کرنا ہے، اور دوسرا پہلو جو تعلیمی وابلاغی ہے وہ دراصل بہت ہی اہم ہے، مسلمانوں کو اس کے مقابلہ کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنا ہوں گی، اولا مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرکے پیش کرنے کا جو سلسلہ ایک عرصہ سے چل رہا ہے اور جس کو اولا انگریزوں نے اپنے زمانہ حکومت میں شروع کیا تھا تاکہ مسلمانوں کی ثقافتی واخلاقی برتری کو مٹا سکیں، اس کے ردواصلاح کے لئے مسلمانوں نے کوئی ٹھوس کام نہیں کیا، مسلمان دانشوروں نے مسلمانوں کی تاریخ کو صاف وستھرے انداز میں اپنوں اور غیروں کے سامنے لانے کی تدبیر نہیں کی، کالجوں و یونیورسٹیوں میں غیروں کی تصنیف کی ہوئی کتابیں پڑھاتی جاتی رہیں بلکہ مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے کالجوں میں بھی وہی پڑھائی جاتی رہیں، اس کی وجہ سے غیر مسلم تو غیر مسلم خود مسلمانوں کے ذہنوں کو بھی ان کتابوں نے مسموم کیا، ان کتابوں میں مسلمانوں کی تاریخ کے واقعات کو عموما اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ان سے مسلمانوں کی پسماندگی بلکہ تشدد و بربریت کی تصویر سامنے آتی ہے، پھر ہندواحیائیت کے مسلم دشمن داعیوں نے مسلمانوں کی تاریخ کے واقعات کو ہندو دشمنی کا رنگ دے کر مسلم دشمنی کی فضا پیدا کی، اپنے روزمرہ کے تربیتی پروگراموں میں باقاعدہ ان کو مسلم بیزاری کا ذریعہ بنایا، جس کے نتیجے میں موجودہ صورت حال کا پیدا ہوجانا بالکل بعید نہیں تھا، اب بھی وقت گیا نہیں ہے، وہ کام جو ہم کو پہلے کرنا چاہیئے تھا اس کا ہم اب بھی اہتمام کریں تو حالات کو بہتر بنانے میں ضرور مدد ملی گی۔

اس ملک کے وہ دانشور راہنما جو مسلم دشمنی کو فروغ دینے کے لئے منصوبہ بندی کرتے ہیں ان کو بھی سمجھنا چاہیے کہ ان کے مسلم دشمنی کے طریقوں سے یہاں کے باشندوں کے درمیان جو ٹکراؤ ہورہا ہے وہ ملک کے لیے بہت مضر ہے، اب دنیا سمٹ کر ایک محلّہ بن گئی ہے، کوئی خبر اب پردۂ خفا میں نہیں رہتی، ایک چھوٹے واقعہ سے بھی دنیا کے دوسرے حصوں میں واقفیت حاصل ہوجاتی ہے، اور جمہوریت وآزادی کے اس دور میں ہر طرف سے نکیر وتنقید ہونے لگتی ہے، اور بالآخر ظالم کو اپنے ظلم سے رکنا پڑتا ہے، اور جمہوریت وآزادی کی قدروں کو خواہ ظاہر ہی طور پر ہو، اختیار کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح اب کوئی بڑا فرقہ خواہ کتنا مضبوط ہو، اپنے سے چھوٹے فرقہ کو ختم نہیں کرسکتا، فوجی سیاست کا دور اب ختم ہوچکا ہے، اب صرف جمہوریت اور سیاسی حکمت عملی کا دور ہے، اب اسی سے قومی مقاصد کی تکمیل کی جاتی ہے اور مسلمانوں کے متعلق خود مسلمانوں کو اور غیر مسلموں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اب اتنی بڑی تعداد میں اور دنیا کے تمام خطوں میں ہیں کہ ان کو کوئی بڑی سے بڑی طاقت ختم نہیں کرسکتی، اللہ تعالی نے ان کو مجموعی طور پر قیامت تک باقی رہنے کے لئے پیدا کیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے ﴿وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ،ويعفو عن كثير﴾ "کہ تم کو جو مصیبت پہونچتی ہے وہ خود تمہارے ہاتھوں کا کیا ہوا ہوتا ہے، اور اللہ تعالی بہت سی باتوں کو معاف بھی کردیتا ہے"۔

لہذا مسلمانوں کو اپنے اوپر ہونے والے مصائب کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے کہ ان کا اصل سبب ان کی بداعملیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں، مصیبتوں سے بچنے کا اصل اور بڑا اعلاج ان بدعملیوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے میں ہے، ہم کو اللہ تعالی سے مدد چاہتے ہوئے بتقاضائے وقت تدابیر اختیار کرنا چاہیے۔

عورت اور اسلام

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حقوق نسواں کے نام پر آج جتنے ادارے قائم ہیں، تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج عورت سربازار رسوا کی جارہی ہے، آزادی کے عنوان سے ہر جگہ اس کا استحصال کیا جارہا ہے، دور جاہلیت کی نئی نئی شکلیں سامنے آرہی ہیں، جب اس کی حیثیت کسی جانور سے زیادہ نہیں تھی، اس وقت دنیا کے مختلف مذہبوں اور تہذیبوں میں اس کا کوئی مقام نہیں تھا، عیسائیوں نے اس کے وجود کو خالص دنیاداری کی ایک علامت قرار دے دیا تھا، تپسیہ کے دوران اگر کسی عورت پر ان کی نگاہ پڑجاتی تھی تو سمجھتے تھے کہ ان کی ساری ریاضت بیکار گئی، مائیں ممتا کو ترس گئی تھیں، دنیا کے بعض بعض علاقوں میں شوہر کی موت کے بعد عورت کی زندگی موت سے بدتر ہوتی تھی، اسی لیے وہ شوہر کی چتا میں ستی ہوجانا بہتر سمجھتی تھی، عربوں کے بعض قبائل میں لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو زندہ دفن کردنے کا دستور تھا، اسی طرح اگر شوہر مرجاتا تو بیوی کو ایک سال کے لیے کسی کوٹھری میں قید کردیا جاتا تھا، دنیا کے مختلف علاقوں میں اس کو بہت گری ہوئی نظر سے دیکھا جاتا، بعض مذہبوں میں یہ حکم تھا کہ اس کے مخصوص ایام میں اس کو گھر سے باہر نکال دیا جائے، بعض علاقوں میں رواج تھا کہ باپ کے مرنے پر اس کی بیویاں بڑے لڑکے کے حصہ میں آجاتیں اور وہ اپنی ماں کے علاوہ باپ کی بقیہ بیویوں کا مالک بن جاتا تھا، سب سے پہلے نبی رحمت (ﷺ) نے مساوات انسانی میں اس کو شامل فرمایا، اس کے مستقل حقوق بتائے، مردوں کے شکنجہ سے اس کو آزاد کیا، اور اس کی نزاکت اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے اس کے لیے باقاعدہ نظام تجویز کیا، اس کو علم وعمل کی دولت سے آراستہ کرکے قرب الٰہی کی وہ بلندیاں عطا کیں جو بڑے بڑے ائمہ وعلماء امت کے نزدیک بھی قابل رشک ہیں۔

ماں کے قدموں کے نیچے آپ (ﷺ) نے جنت بتائی، بیوی کو گھر کی ملکہ اور ذمہ دار بتایا، بیٹیوں کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ کرنے والے اور اچھی تربیت کرنے والے کو جنت میں اپنا قرب خاص ملنے کی بشارت سنائی۔

حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں آنحضرت (ﷺ) نے جن اہم ترین امور کی طرف توجہ دلائی، ان میں خاص طور پر یہ بھی ارشاد ہوا: "فاتقوا اللہ في النساء" (عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو)، اس میں خاص طور پر شوہروں کو خطاب کرتے ہوئے آپ (ﷺ) نے فرمایا: "فإنکم اتخذتموھنّ بامانة اللہ و استحللتم فروجھنّ بکلمة اللہ" (تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اختیار کیا ہے اور ان سے جنسی تعلق کو اللہ کی اجازت سے جائز بنایا ہے)، شوہروں کے لیے بیویوں کو اللہ کی امانت قرار دے کر آنحضرت (ﷺ) نے عورتوں کا جو تحفظ فرمایا ہے دنیا میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے، اسلام میں امانت کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اس کا تحفظ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، اس کا بے جا استعمال بدترین گناہوں میں سے ہے، اس کی تفصیلات آنحضرت (ﷺ) نے مختلف مواقع پر بیان فرمائی ہیں، کوئی ایسا کام جو اس کے لیے بوجھ بن جائے اس سے آپ (ﷺ) نے اس کو دور رکھا، بھاری ذمہ داریاں مردوں کے سر ڈالی گئیں، ہلکے پھلکے کام عورتوں کے ذمہ کیے گئے، علم میں ترقی کی اس کو نہ صرف یہ کہ اجازت دی گئی بلکہ اس کو بہتر قرار دیا گیا، میراث میں اس کو شریک کیا گیا، اس کی رائے کو اہمیت دی گئی، ہر طرح کی آزادی اسے عطا کی گئی لیکن اس کی ساخت کا خیال رکھا گیا، عفت وعصمت کو اس کے سر کا تاج قرار دیا گیا، حیا کو اس کا اصل جوہر بتایا گیا، گھر کے نظام میں شوہر کے ساتھ یکجہتی اور اس کی محبت واطاعت کو اس کی ترقی کا زینہ فرمایا گیا، اور مردوں کو یہ حکم ہوا کہ وہ ٹوہ میں نہ رہیں، بیویوں کی برائیاں نہ ڈھونڈتے پھریں، اگر کوئی ایک بات بری بھی لگ رہی ہو تو دوسری اچھی بات کی طرف توجہ کریں، ان کے ساتھ اخلاق برتیں خود آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: "خیارکم خیارکم لنساء کم" (تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لیے بہتر ہو)، اور آخری درجہ کی بات یہاں تک ارشاد فرمادی کہ کوئی ٹیڑھ پن تمہیں اپنی بیوی میں نظر آ بھی رہا ہو تو نہایت محبت وحکمت سے اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرو لیکن پیچھے مت پڑ جاؤ، تمہارا معاشرتی نظام اس سے وابستہ ہے تو اس کو برداشت کرو، اگر تم اس کے پیچھے پڑوگے تو رشتہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

ہاں اگر ایسی برائی ہو جس سے پورے سماج پر اثر پڑ رہا ہو، اور خاندانی نظام متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو تنبیہ کی ضرورت ہے، ارشاد ہوتا ہے: "ولکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احداً تکرھونه فإن فعلن ذٰلک فاضربوھن ضرباً غیر مبرح" (ان پر تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے کو نہ بیٹھنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو پھر اگر وہ ایسا کرتی ہیں تو تم ان کو مارو لیکن اس طرح کہ وہ سخت نہ ہو)، اگر وہ بے حیائی اور بد اخلاقی میں مبتلا ہورہی ہیں تو شوہر کی ذمہ داری ہے کہ سمجھائے پھر بھی نہ مانیں تو تنبیہ کرے لیکن حدود سے تجاوز نہ ہو، پھر مزید وضاحت بھی فرمادی: "ولھن علیکم رزقھن و کسوتھن بالمعروف" (اور ان کا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ معقول طریقہ پر ان کی خوراک اور پوشاک کا انتظام کرو)

دنیا کو آج ایسے ہی معتدل نظام کی ضرورت ہے جس میں عورت کو اس کی اپنی ضرورت اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے آزادانہ حقوق دیے گئے ہوں لیکن اس کو تجارت اور کاروبار کی منڈی میں نیلام نہ کیا جائے، اور آزادی کے نام پر اس سے وہ کام نہ لئے جائیں جن سے انسانیت کا سر شرم سے جھک جائے، یقیناً خطبہ عرفات میں جس طرح عورتوں کے سلسلہ میں مردوں کو توجہ دلائی گئی ہے اور خود عورتوں کو بھی باحیا زندگی گزارنے کی تلقین کی گئی ہے یہ عورتوں کے بارے میں دنیا کے غیر متوازن تصورات کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

قرآن کریم کا تصور انسان

قسط اول

عبدالسبحان ناخدا ندوی

دنیا کے تمام نظام، فلسفے، تحریکات اور ازم کی بنیاد درحقیقت اس تصور پر پڑی ہے جو اس نے انسان سے متعلق قائم کیا، جس نے انسان کو جو حیثیت دی اسی کے مطابق اس نے نظام وضع کیے، تحریکات برپا کیں، فلسفوں کو وجود بخشا اور طرح طرح کے ازم وجود میں آئے، پھر اس انسانی تصور میں تنوع بھی پیدا ہوتا رہا، کسی نظام نے انسان کو اصل مقصود بنایا، کسی نے معاشرے کو بنیادی حیثیت دی، بہت سارے ایسے ہوئے جو رنگ ونسل سے آگے کچھ سوچتے ہی نہیں تو یا ان کے نزدیک رنگ ونسل کے علاوہ دوسرا شخص انسان سمجھے جانے کے لائق ہی نہیں، ایک بڑی تعداد وطن کو بنیاد بنا کر اس کے تحت انسان کا تعین کرتی ہے، کچھ وہ بھی ہیں جو وطن کی پرستش کرتے ہیں اور اسی کو معیارِ انسانیت قرار دیتے ہیں، صدیوں سے انسان ایک بنیادی غلطی کی وجہ سے ٹھوکریں کھا رہا ہے، آج تک ایسے بے مقصد انسان کو اپنی قیمت متعین کرنے کی توفیق نہیں ملی، ہر چیز کی شناخت کرنے والا اپنی شناخت قائم نہ کرسکا، ہر چیز کی قیمت متعین کرنے والا اپنی قیمت متعین نہ کرسکا، ہر مقصد کو پیش نظر رکھنے والا خود اپنے وجود کا مقصد بنا نہ سکا، تمام علوم وفنون مقصد انسان کو واضح کرنے میں بالکل ناکام ثابت ہوئے، اس میدان میں ہر علم کاسہ گدائی لیے کھڑا ہے، کچھ ایسے اناڑی بھی ہیں جنہوں نے الٹے سیدھے اندازوں پر مقاصد کی بنیاد رکھی، دماغ کے منتشر خیالات پر اپنے اصول وضع کیے ان اصولوں پر اپنے افکار کی تعمیر کی، اور تمام انسانوں کو دعوت دی کہ وہ بھی ان ہی کے قائم کردہ افکار پر اپنی فکر استوار کریں، یا انسان کو اس تصور میں دیکھیں جو تصور خود ان کا اپنا قائم کردہ ہے۔

ایسے کسی بھی انسان کے دماغ میں یہ عام بات نہ آسکی کہ چیزیں اپنے مقاصد خود وضع نہیں کرتی ہیں بلکہ چیزوں کا بنانے والا ان کے مقاصد کو متعین کرتا ہے، یہ طے ہے کہ انسان نے اپنے آپ کو وجود نہیں بخشا لہٰذا مقاصد کا تعین وہ کر ہی نہیں سکتا، اور یہ بھی طے ہے کہ جب بھی وہ اپنے اہداف متعین کرے گا، افراط وتفریط کا شکار ہوکر منہ کی کھائے گا، تاریخ کا ایک ایک ورق اس کا گواہ ہے۔

یہ بات بھی ہر کوئی جانتا ہے کہ انسان کی طبیعت میں اثر ڈالنے کے مقابلہ میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے، ایک چونٹی کے کاٹنے سے لے کر دنیا میں پیش آنے والے عظیم ترین حوادث کا وہ بے حد اثر قبول کرتا ہے، قدرت کے مقرر کردہ طبعی قوانین کے زیر اثر اس کی ساری زندگی بسر ہوتی ہے، اسی چیز کو قرآن کریم نے یوں کہا ہے، "وخلق الإنسان ضعیفا" (انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے)، اس تأثر وانفعال کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان نے اپنی صلاح وفلاح کے لیے جتنے تجربات کیے ہیں ان میں اکثر یا سب کے سب ردعمل کے طور پر ہی کیے ہیں، اور ردعمل کبھی اعتدال کی شاہراہ پر قائم نہیں رہ سکتا، اس کو چھوٹی سی مثال کے ذریعہ یوں سمجھیں کہ آپ کو اگر کوئی برسر عام ایک تھپڑ رسید کردے تو آپ کی شدید خواہش یہی ہوگی کہ جوابی طور پر اس کے چار پانچ تھپڑ ضرور رسید کریں، پھر بھی آپ کے انتقام کی آگ نہ بجھے، ردعمل کی یہ ناہمواری انسان کے وضع کردہ ہر قانون میں ضرور نظر آئے گی، چاہے انسانیت کی فلاح کے جتنے بھی دعوے کیے جائیں وہ انسانی میزان پر کبھی پورے نہیں اتریں گے، ردعمل کی وجہ سے وسیع انسانی مفاد پر کسی کی نظر نہیں رہتی، یہاں ایک خانے کو بھرا جاتا ہے اور سیکڑوں خانے تشنہ رہ جاتے ہیں۔

کمیونزم نے انسان کا مطلب ''بھوکا انسان'' سمجھا، اور پیٹ بھرنے کو انسانی کامیابی کی آخری منزل قرار دیا، انسانی زندگی کے اور گوشوں کو سرے سے کوئی اہمیت نہیں دی، اپنے نظام کو تھوپنے کے لیے انتہاء درجہ کی سفاکی اور درندگی کو جائز ٹھرایا، دنیا نے نتیجہ دیکھ لیا، انسانی زندگی کے بقیہ گوشے بدستور خالی رہے، اور پیٹ بھی بھرا نہ جاسکا، جس کا دعوی بڑے زور وشور سے کیا گیا تھا۔

مغرب زدہ نظام زندگی نے انسان کا مطلب ''خواہشمند انسان'' بتایا، خواہشات نفسانی کی تکمیل میں تمام حدود انسانی کو پار کرگیا، فی الوقت حدود حیوانی کو بھی پار کرنے پر تلا ہوا ہے، بلکہ یوں کہہ لیں کہ پار کرچکا ہے، (حیوانوں میں ہم جنسی نہیں ہوتی ہے) اس کا نتیجہ ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ حواس باختہ انسانوں کی ایک بھیڑ ہے جو زندگی کے میدان میں ماری ماری پھر رہی ہے، بدنی صلاحیتیں اور دماغی توانائیاں سب خواہشات کی تکمیل میں منہمک ہیں، اس نظام زندگی نے دنیا کو جو انسان دیے وہ انتہاء درجہ کے لالچی اور حریص ہیں، جس کی اول وآخر غرض ہر فائدے پر رال ٹپکاتے ہوئے (جس طرح کتے کی رال ٹپکتی ہے) ٹوٹ پڑنا ہے، چاہے اس کے لیے پوری انسانیت کو جہنم میں جھونکنا پڑ جائے، قرآن کریم کی بلیغ ترین تعبیر میں ایسے ''انسانوں'' کا حال ذرا سنیے: ''**أرأیت من اتخذ الٰهٗ هواہٗ، أفأنت تکون علیه وکیلاً، أم تحسب أن اکثرهم یسمعون أو یعقلون إن هم الا کالأنعام بل هم أضل سبیلاً**'' (کیا آپ نے ان کو دیکھا جنہوں نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے، کیا آپ ایسوں کے ذمہ دار ہوسکتے ہیں، کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی اکثریت سنتی اور سمجھتی ہے؟ یہ سب چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں)۔

موجودہ مغربی نظام بھی دراصل چند سو سال پہلے کے ظلم واستبداد کا ردعمل ہے، جب کلیسا نے روشن خیالوں کے خلاف ہر طرح کی وحشیانہ حرکت مذہب کے نام پر جائز کر رکھی تھی، اس کے ردعمل میں خواہشات نفسانی اور بے لگام عقلی آزادی کا ایک سیلاب امڈ پڑا جو اپنے ساتھ بہت کچھ بہا لے گیا، یا یوں کہہ لیں کہ اس جبر کے نتیجہ میں حرص وہوس اور مذہب بیزاری کا ایک الاؤ دہک اٹھا اور خواہش پرست، مذہب بیزار، اخلاق سے عاری، ننگ دھڑنگ انسان اس میں یوں جلنے لگا کہ اس کے ساتھ وہ ساری اخلاقی قدریں بھی راکھ ہوگئیں جو ایک شریف انسان کی پہچان تھیں۔

کچھ مذاہب جو حقیقت کی دنیا میں اپنی قدر وقیمت کھو چکے تھے، انہوں نے انسان کا مطلب روحانیت کا پیاسا انسان لیا، انسان کی جسمانی تقاضوں کو بے رحمی کے ساتھ کچل دینا انسانیت کی اصل معراج قرار پایا، یہ بھی درحقیقت ایک ردعمل تھا جو جسمانی تقاضوں کے خلاف زبردستی پیدا کیا گیا، جس کے نتیجہ میں ''روح کی تسکین'' کے ایسے ایسے طریقے ایجاد ہوئے کہ روح بیچاری ہمیشہ کے لیے ساکت وساکن ہوگئی، جسم تو بے چارہ پہلے ہی لاشئے بے جان تھا، روح بھی اس کے ساتھ لاشئے بے جسم ہوکر رہ گئی، انسان نہ جسم کا رہا نہ جان کا، قدرت کی بخشی ہوئی زندگی سے بھرپور بدنی ودماغی صلاحیتیں اس بے کار روحانیت کے بھینٹ اس طرح چڑھ گئیں کہ انسان انسان نہ رہا، مرجھائے ہوئے ذہن ودماغ کا ایک سوکھا سڑا وجود بن گیا۔ (بقیہ: صفحہ ۵ پر)

نیٹ ورک مارکیٹنگ

تعارف اور شرعی حکم

مفتی راشد حسین ندوی

نیٹ ورک مارکیٹنگ (Network Marketing) یا ملٹی لیول مارکیٹنگ (Multi-level Marketing) تجارت کا نسبتاً ایک نیا طریقہ ہے، اس کا آغاز دراصل اہرامی اسکیم (Pyramid Scheme) سے ہوا جس کو پونزائی (Ponzie) نامی ایک شخص نے شروع کیا تھا، اس اسکیم میں اشیاء کی فروخت نہیں ہوتی تھی، بلکہ کوئی بھی شخص کچھ فیس دیکر ممبر بنتا تھا، پھر نئے ممبران بنانے کی کوشش کرتا تھا، نئے ممبران کی جمع شدہ فیس میں کچھ حصہ پہلے کو بھی ملتا تھا، پھر جب دنیا بھر میں رائے عامہ اس کے خلاف ہوئی تو قانونی بندشوں سے بچانے کے لیے بعض کمپنیوں نے اشیاء کے فروخت کا حیلہ دریافت کیا، اسی کی شہرت ایم ایل ایم یا نیٹ ورک مارکیٹنگ سے ہوئی۔

اس تجارت کا طریقۂ کار یہ ہے کہ کمپنی کی مصنوعات کھلی مارکیٹ میں فروخت نہیں ہوتیں، بلکہ مصنوعات صرف کمپنی کے ممبران کو فراہم کی جاتی ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایک ممبر دوسرے جتنے ممبر بناتا ہے، اس پر کمپنی کمیشن دیتی ہے، پھر یہ کمیشن ان بلا واسطہ ممبران تک محدود نہیں رہتا جن کو اس نے کمپنی سے جوڑا ہے، بلکہ ان ممبران میں سے ہر ممبر جتنے نئے ممبر بنائے گا، پھر اس کے بنائے ہوئے ممبر جتنے ممبر بنائے گا ان کی خریداری پر بھی ان کو کمیشن ملے گا، پھر یہ سلسلہ آگے تک چلتا رہے گا، اس طرح اگر الف نے ب اور ج کو اشیاء فروخت کی ہیں، ب نے د اور و اور ہ کو کی ہیں، ج نے ل م اور ن کو کی ہیں، د نے س ش اور ص کو کی ہیں، تو ان کی تجارتی سرگرمیوں میں کچھ حصہ الف کو بھی ملتا رہے گا۔

ہندوستان میں اس طرح کی تجارت کرنے والی کئی کمپنیاں ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور ایم وے انڈیا (Amway India) ہے، اس کے علاوہ اے ون (Avon) اور ٹپر ویر وغیرہ بھی میدان میں ہیں۔

شرعی حکم: ان کمپنیوں کے طریقۂ کار کی وضاحت اوپر تفصیل سے ہو چکی ہے، اس پورے نظام پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ شرعاً بیع کی یہ شکل ناجائز ہے، اس میں نہ تو شرکت کرنا جائز ہے نہ ممبر سازی کرنا اور کمیشن سے فائدہ اٹھانا، اور اس کی کئی وجوہ ہیں جن کو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں:

۱- پہلی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے، جن بیوع میں غرر ہو فقہاء نے ان کو فاسد قرار دیا ہے، غرر کی تعریف علامہ سرخسی اور علامہ اسحاق شیرازی نے یہ کی ہے کہ غرر وہ بیع ہے جس کا انجام مستور و مخفی ہو، غور کریں تو مذکورہ بیع میں غرر پایا جا رہا ہے، اس لیے کہ ایک نیا شخص جب ممبر بنتا ہے تو اس کو بالکل پتہ نہیں ہوتا کہ آگے ممبر سازی کر کے نفع اٹھائے گا یا ممبر سازی کرنے میں ناکام رہ کر گھاٹے میں رہے گا، جب کہ اس کا تصور سامان کی خریداری کے بجائے کمیشن حاصل کرنا ہوتا ہے۔

پھر اس طرح سے خطر پر معلق کرنا جوئے اور قمار کا شبہ پیدا کر رہا ہے جس کی ممانعت صاف طور پر قرآن مجید میں کی گئی ہے۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں عقد بیع کے ساتھ رکنیت شرط ہے، اور فقہی اصول یہ ہے کہ اگر عقد بیع میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جس کا عقد تقاضہ نہ کرتی ہو اور اس شرط کے لگانے سے خریدار یا بائع کا فائدہ ہو تو عقد فاسد ہو جاتا ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔

پھر اس شرط نے اس عقد کو دو عقد بنا دیا ہے، ایک عقد بیع ہے، دوسرا عقد اجارہ ہے، اور نبی کریم ﷺ نے ایک عقد میں دو عقد کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ ایک ممبر جب کوئی سامان خریدتا ہے تو جو رقم بطور ثمن کے دیتا ہے اس کا ایک حصہ رکنیت کی فیس ہوتی ہے بقیہ اس سامان کی قیمت، اور کمپنی اس کی وضاحت بالکل نہیں کرتی کہ یہ رقم کی کتنی مقدار بطور ثمن ہے اور کتنی فیس کے طور پر ہے، اور فقہ کا مسلمہ اصول ہے کہ ثمن مجہول ہو تو عقد فاسد ہوتا ہے۔

۴- چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہر ممبر کی حیثیت کمپنی کے اجیر کی بھی ہوتی ہے، اور نہ تو مدت اجارہ بتائی جاتی ہے نہ اجرت متعین ہوتی ہے اور اجرت متعین نہ کی جائے تو اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔

۵- پانچویں خرابی یہ ہے کہ اس میں غبن فاحش ہوتا ہے یعنی ان کمپنیوں کی مصنوعات اور انہیں کے مقابل کمپنیوں کی متبادل مصنوعات کی قیمتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، مثلاً ایم وے کا ایک شیمپو ۳۱۶ کا ہوتا ہے تو اسی وزن میں کھلی مارکٹ میں اسی جیسا بلکہ اس سے اچھا شیمپو صرف ۸۵/ روپے میں مل جاتا ہے، اسی پر اور چیزوں کا بھی قیاس کریں، اور غبن فاحش سے بیع مکروہ ہوتی ہے۔

۶- اس میں غیر ممبر خریداری نہیں کر سکتے، یہ چیز شریعت کے عمومی مزاج کے خلاف ہے، اسی لیے تلقی جلب اور بیع حاضر للبادی سے منع کر دیا گیا ہے۔

۷- اس میں ابتداء کے چند ممبران کو چھوڑ کر بقیہ کے خسارے میں رہنے کا ظن غالب رہتا ہے، اسی لیے ماہرین معاشیات نے بھی اس نئے تجارتی طریقہ کو دھوکہ دہی اور فریب کا جال قرار دیا ہے۔

اوپر بیان کردہ وجوہات کی بنیاد پر فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے سولہویں اجلاس میں اس کے ناجائز ہونے کی تجویز متفقہ طور پر پاس کی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

بقیہ: قرآن کریم کا تصور انسان

یہ نتیجہ ہے ان غلط تصورات کا جو انسانوں سے متعلق خود انسانوں نے ہی قائم کیے تھے، ظاہر بات ہے کہ جو کام انسانوں کے خدا کے طے کرنے کا ہے، خود انسان اسے طے کرنے لگے تو انسان کو اوندھے منہ زمین پر گرنا ہی تھا، اسی بنا پر انسانوں کا برپا کیا ہوا نظام آج تک انسانیت کو وہ نہیں دے سکا جس کا فی الواقع انسان محتاج ہے، "وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله، إن يتبعون إلا الظن و إن هم الا يخرصون" (اگر آپ دنیا میں موجود اکثریت کا کہنا مانیں گے تو یہ آپ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے، یہ تو بس گمانوں کے پیچھے چلتے ہیں اور الٹے سیدھے اندازے لگاتے ہیں)۔

فیضان نبوت ﷺ

محمود حسن حسنی ندوی

کلام الٰہی، حدیث نبوی، یہ دو عظیم عطیے ہیں جو اللہ نے مسلمانوں کو بخشے، قرآن مجید اس کی کتاب اور ایسی کتاب ہے کہ اس میں اللہ تعالی نے انسانوں کی ہدایت، تربیت اور تعلیم کے لیے کچھ چھوڑا نہیں اور یہ فرما بھی دیا ہے کہ **''ما فرطنا في الكتاب من شيئ''** (سورہ انعام آیت ۳۸) (ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑ رکھی ہے)، اور یہ بھی فرمادیا کہ **'' فإن تنازعتم في شيئ فردوهُ إلى الله و الرسول''** (النساء آیت ۵۹) (پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو)، اور یہ بھی فرمادیا کہ **''وما آتاكم الرسول فخذوهُ وما نهاكم عنهُ فانتهوا''** (حشر آیت ۷) (اور رسول جو کچھ تم کو دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں رک جایا کرو)، اور حدیث میں واضح الفاظ میں فرمادیا گیا **''من رغب عن سنتي فليس مني''** (مسلم) (جو میرے طریقہ سے بے رخی برتے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے)، اور **''من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد''** (بخاری و مسلم) (کہ جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ ناقابل توجہ ہے)، اور صاف طور پر ارشاد فرمادیا کہ **''كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة''** (سنن أبو داؤد و سنن ترمذی) (دین کے اندر پیدا کی جانے والی ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

اللہ نے جب دین مکمل فرما دیا تو رسول اللہ (ﷺ) کی مدت حیات دنیوی کی بھی تکمیل فرمادی، وحی کا سلسلہ بند ہو گیا، اس لیے کسی اور طرف یا بعد کی کسی شخصیت پر نظر ڈالنا، دین و شریعت محمدی سے بے اعتنائی ہے۔ بہت مناسب بات کہی ہے مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمة الله عليه نے امام مالکؒ کے حوالے سے کہ ''جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کی اور وہ اس کو اچھا سمجھتا ہے تو وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) نے۔ نعوذ باللہ۔ پیغام پہنچانے، حق رسالت ادا کرنے میں خیانت کی، اس لیے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: **''اليوم أكملت لكم دينكم و أتممت عليكم نعمتي و رضيت لكم الإسلام ديناً''** کہ میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، پس جو بات عہد رسالت میں دین میں نہیں تھی وہ آج بھی دین میں نہیں ہو سکتی'' (علماء دین شرک و بدعت کے خلاف کیوں)۔

رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے طریقہ کو اختیار کرنے کے ساتھ اپنے جانشینوں کے طریقہ کو اختیار کرنے کی بابت بھی ارشاد فرمایا کہ **''عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين''** (أبو داؤد و ترمذي) بالاجماع امت یہ حضرات خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضي الله عنهم و رضوا عنه ہیں اور خلافت راشدہ کے تتمہ کے طور پر حضرت حسنؓ بھی ہیں کہ جن کی ذات گرامی سے بھی حضور (ﷺ) کی وہ پیشن گوئی پوری ہوئی جس پر ان کو سیادت کی بشارت ملی تھی اور خلافت راشدہ کا تیس سالہ زمانہ بھی انہی کے عمل مصالحت سے پورا ہوا۔

نبی، ولی جو بھی ہوئے ان سب نے لوگوں کو اللہ کی مرضی پر چلنا سکھایا، اور اس کا محبوب بننے کا طریقہ بتایا، امت محمدی کو سب سے آسان اور شاندار طریقہ اللہ رب العالمین نے بتایا اور خود حضور (ﷺ) سے کہلوایا: **''قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله''** (سورة آل عمران) (کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا)، اب اس کے بعد کیا خلا رہ جاتا، اور کیا نقص رہ جاتا ہے جس کی تلافی کوئی دوسرا آ کر کرے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہوں یا خواجہ غریب نوازؒ یا داتا گنج بخش لاہوری ہوں، یا اشرف جہانگیر سمنانی، نظام الدین اولیاء ہوں یا پیران کلیر اور سید علی ہمدانی کشمیری سب اسی ایک در کے محتاج ہیں، جو در اللہ نے اپنے بندوں کے لیے کھول رکھا ہے، اور سارے دروازے بند کر کے صرف اپنا دروازہ کھول رکھا ہے اور فرمادیا ہے: **''إني قريب''** (میں دور نہیں ہوں)، مجھ سے مانگو، اور اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) نے فرمایا کہ ساری ضرورتوں کو اپنے رب کے سامنے ہی رکھو، اب غوث الاعظم کی دہائی دینا، قبروں پر جا کر ضرورتیں رکھنا، نمازوں کو معاف کروانا، حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرانے کی تدبیریں اختیار کرنا، مشرکانہ دعائیں کرنا اور ایک ایک کا احسان ماننا لیکن نہ ماننا تو اللہ رب العالمین کا جو کہ کارساز حقیقی ہے کہ جب وہ کسی کا کام بنانا چاہتا ہے تو اسباب کے تحت جس کو بھی وہ واسطہ بنادے اور جو بھی طفیل بن جائے، لیکن بگڑی بنانے والا وہی ایک اللہ ہے، ہر حال میں اسی سے لو لگانی چاہیے، اور طریقہ اپنے تمام معاملات میں ذاتی ہوں یا عائلی، معاشرتی ہوں یا بین الملی، سیاسی و سماجی ہوں یا اقتصادی سب میں بہترین نمونہ آنحضور (ﷺ) کی ہی سیرت سے ملے گا، اور پھر سیرت صحابہ سے کہ ان کی سیرت آنحضور (ﷺ) کی ہی سیرت کا عکس ہے، دین کا نفاذ، شریعت کی تنفیذ سب سے پہلے ان پر ہوئی، اور ان کے طور و طریقہ سے قولی احکام و آداب، عملی احکام و آداب بنے، اور پوری دنیائے انسانیت تک دین پہنچانے کی پہلی کڑی اور سب سے عظیم اور مکمل واسطہ یہی ہیں، یہ اللہ سے راضی اور خوش ہوئے اور اللہ کے احکام پر چل کر مطمئن و مسرور ہوئے اور اللہ ان سے راضی اور خوش ہوا، اتحاد و اتفاق کے ماحول و فضا میں ان کے طرز عمل سے روشنی ملی، اور اختلاف و نفاق کے حالات میں بھی انہی سے رہنمائی ملی، قیامت تک آنے والے خوش کن حالات اور پر فتن احوال میں انہی کے فیصلوں سے رہنمائی لی جاتی رہے گی، انہوں نے کتاب و سنت سب سے اچھا سمجھا تھا، سیرت کا لوگ مطالعہ کرتے ہیں، انہوں نے مشاہدہ کیا تھا، اوروں کے معلم و مربی، مرشد و ہادی اولیاء و اصفیاء، اتقیاء، راسخین فی العلم، اور ربانیین ہوتے ہیں، ان کے معلم و مربی مرشد و ہادی سید ولد آدم سرور کائنات اور وہ ذات طیب و طاہر ہے جس سے علم کے سوتے پھوٹے ہیں اور جو سرچشمہ ربانیت و ہدایت ہے۔ **صلی الله عليه وسلم ابداً ابداً۔**

عالمی خبریں

ابرارحسن ایوبی ندوی

دنیا کے سب سے بڑے اور قدیم قرآنی نسخہ کی اصلاح کا کام مکمل

حلب (نسیج): حلب کے کتب خانہ "وقیفیہ" میں محفوظ، مملوک خلفاء کے دور کی یادگار، دنیا کے سب سے بڑے اور قدیم نسخہ کی اصلاح کا کام جمعة الماجد للثقافة و التراث کے شعبہ مخطوطات کے زیر اہتمام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔

واضح رہے کہ یہ قرآنی نسخہ ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں بڑی تقطیع میں ۵۲/۷۲ سنٹی میٹر کے کاغذ پر ۳۴۴ صفحات میں تحریر کیا گیا تھا، اس کے اوراق بوسیدہ ہوگئے تھے اور جگہ جگہ سے روشنائی مٹ رہی تھی۔

عالم اسلام میں مخطوطات کی حفاظت کررہے مرکز "جمعة الماجد" نے ۱۰/ ماہرین پر مشتمل کمیٹی کے ذریعہ مسلسل دو مہینے تک محنت کروائی، اوراق کی صفائی، بوسیدہ مقامات کی اچھے ڈھنگ سے تبدیلی، مناسب وزن اور مناسب رنگ کے اوراق کو کمال مہارت سے چسپاں کروانے، حسب ضرورت مشین اور ہاتھ کے ذریعہ نقش ونگار کروانے، اس کی سلائی اور تجلید کے بعد خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے، مکتبہ وقیفیہ کے ذمہ داروں نے اس عظیم کارنامہ پر مرکز کا شکریہ ادا کیا ہے۔

شاہ فیصل ایوارڈ کے لیے شخصیات کا انتخاب

ریاض:- عالم اسلام کے سب سے قیمتی ایوارڈ شاہ فیصل ایوارڈ کے لیے پانچ شخصیات اور ایک دینی تنظیم کے ناموں کا اعلان کیا گیا جنہیں عنقریب اس عظیم اعزاز سے سرفراز کیا جائے گا۔ مختلف میدانوں میں اسلام کی علمی، فکری اور دعوتی خدمات کو انجام دینے والی جن شخصیات کا انتخاب کیا گیا ہے، ان کا تعلق دنیا کے مختلف ممالک سے ہے۔

واضح رہے کہ یہ ایوارڈ دو لاکھ ڈالر، ایک طلائی تمغہ اور سند پر مشتمل ہوتا ہے، جو عالم اسلام کی کسی ممتاز شخصیت کو اس کی غیر معمولی خدمتوں کے اعتراف میں دیا جاتا رہا ہے، لیکن سال رواں ۱۴۳۰ء میں بجائے کسی ایک شخصیت کو دینے کے اسے کئی شعبوں میں تقسیم کردیا گیا ہے، چنانچہ "خدمت اسلامی" کا ایوارڈ کسی شخصیت کے بجائے مصر کی ایک دینی تنظیم "الجمعية الشرعية الرئيسية المصرية" کو دیا جائے گا، جبکہ "دراسات اسلامية" کے عنوان سے پروفیسر عبدالسلام محمد شدادی المغربي (استاذ جامعه محمد الخامس الرباط) کو اور عربی زبان وادب کی خدمات کے لیے سعودی نژاد ادیب ومحقق پروفیسر عبدالعزیز بن ناصر المانع (استاذ جامعه الملك سعود) کو ایوارڈ سے نوازا جائے گا۔ اسی طرح طبی میدان میں نمایاں خدمات انجام دینے والے امریکی نژاد محقق، کینسر اسپیشلسٹ، پروفیسر رونالڈ لیوی کا جبکہ سائنسی میدان میں خاص طور پر فزکس میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے دو محققین برطانوی نژاد سر رچرڈ ہنری فرینڈ اور روسی نژاد پروفیسر راشد علی وچ کا مشترکہ طور پر انتخاب کیا گیا ہے۔

یہ اعلان شاہ فیصل جائزہ کمیٹی کے صدر، مؤسسة الملك فيصل الخيرية کے مدیر عام اور مکہ مکرمہ کے گورنر امیر خالد الفیصل نے مرکز الخزامی ریاض میں ۲۹/ محرم الحرام ۱۴۳۰ء کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس پریس کانفرنس میں جائزہ کمیٹی اراکین اور دیگر معزز افراد موجود تھے۔

مکی وقت معیاری وقت گرینوچ کا وقت غیر معتبر

دوحہ:- قطر کے صدر مقام دوحہ میں "مكة مركز للأرض بين النظرية والتحقيق" "مکہ مکرمہ عالم کا مرکز ہے، علم وتحقیق کے تناظر میں" کے عنوان سے منعقد ہونے والی پہلی عالمی کانفرنس نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے کہ پوری دنیا کے لیے معیاری وقت مکہ مکرمہ کا وقت ہے، اور گرینوچ کا وقت مشتبہ اور غیر معتبر ہے۔ کانفرنس نے قدیم وجدید جغرافیائی اور سائنسی تحقیقات کے تناظر میں اس بات کی وضاحت کی کہ مکہ مکرمہ ہر لحاظ سے روئے زمین کے وسط میں واقع ہے، اور دنیا کی قدیم وجدید جغرافیائی پیائش سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ دنیا کے قدیم ترین براعظموں ایشیاء افریقہ یورپ کی قریب وبعید سرحدوں اسی طرح جدید جغرافیائی تقسیم کے لحاظ سے دور دراز براعظموں (آسٹریلیا، امریکہ) وغیرہ کی سرحدوں سے اور عالم جدید میں تسلیم کیے گئے جغرافیائی مراکز سے پیائش کرنے پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ روئے زمین کے بالکل وسط میں واقع ہے، اسی طرح جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق طول البلد کے اعتبار سے مکہ مکرمہ قطب شمال کے بالکل صحیح سمت میں واقع ہے، اس لحاظ سے دنیا کے دیگر شہروں کا جائزہ لیا گیا تو کوئی بھی شہر اس معیار پر پورا نہیں اترا۔ گرینوچ کو طول البلد کے لحاظ سے قطب شمال پر صحیح سمت میں واقع مانے جانے کا نظریہ غلط ہے، گرینوچ ۵/۸ درجہ مغرب کی طرف جھکا ہوا ہے۔

کانفرنس نے مکی وقت کو ہی مسلمانوں سے معتبر ماننے کا مطالبہ کیا ہے، اور اس بات پر زور دیا ہے کہ اسی کے مطابق اپنے کام انجام دیں، عربی واسلامی میڈیا سے خاص طور پر اسی کو برتنے اور انصاف پسند اہل علم کو اس کی تائید کے لیے آگے بڑھنے کی دعوت دی ہے۔

اس کانفرنس میں ماہرین ارضیات اور جغرافیہ داں حضرات کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی، قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ انجینئرنگ کے استاذ اور قرآن وسنت کے اعجاز علمی کی عالمی کونسل کے رکن ڈاکٹر یحیٰ وزیری اور مشہور اسلامی اسکالر اور ماہر ارضیات ڈاکٹر زغلول النجار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

صلاح الدین ایوبی

عظیم فاتح اور صلیبیوں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرنے والے تھے

پیرس: (ایجنسیاں) حال ہی میں ایک فرانسیسی مصنفہ آن ماری ایڈیہ کی تازہ ترین تصنیف "صلاح الدین العظیم" شائع ہوئی ہے جس میں مصنفہ نے صلاح الدین ایوبی کی نرمی اور رحمدلی کی خوب تعریف کی ہے، اور اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی جس طرح میدان جنگ میں برق وعقاب تھے اسے طرح فتح کے بعد صلیبی دشمنوں کے ساتھ رحم دلی اور نرمی کا برتاؤ کرنے میں بے مثال انسان تھے، خاص طور پر بیت المقدس کی فتح کے بعد صلیبی مفتوحین کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ناقابل فراموش ہے۔

۷۶۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مصنفہ نے متعدد تاریخی شواہد کی روشنی میں صلاح الدین ایوبی کے اس وصف کو نمایاں کیا ہے اور خاص طور پر جنگ حطین کی فتح کی بعد بیت المقدس کے قیدی بادشاہ کے ساتھ میزبانی کا جو برتاؤ کیا اسے بھی ذکر کیا ہے۔

امریکہ کا پرنٹ میڈیا

یہودی شکنجہ میں

محمد نفیس خاں ندوی

یہودی پرٹوکول میں لکھا ہے: ''ہم میڈیا کو اپنے قبضے اور قابو میں رکھیں گے، ہم اپنے دشمنوں کے قبضہ میں کوئی ایسا مؤثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو مؤثر ڈھنگ سے ظاہر کرسکیں اور نہ ہم ان کو اس قابل رکھیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گذرے بغیر کوئی خبر سماج تک پہنچ سکے، ہم ایسے اخبارات کی سرپرستی بھی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی، جنسی و اخلاقی انارکی، استبدادی اور مطلق العنان حکومتوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم یہودی ایسے مدیروں اور نامہ نگاروں کی ہمت افزائی کریں گے جن کا مجرمانہ رکارڈ ہو......''

چنانچہ یہودیوں نے امریکی میڈیا پر مکمل کنٹرول حاصل کیا، اور آج یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی بادشاہ، کسی پوپ، کسی فاتح جنرل یا کسی اعلیٰ ترین پادری کے پاس وہ طاقت نہیں جو ان چند درجن یہودیوں کے پاس ہے جو امریکہ کا میڈیا کنٹرول کرتے ہیں، اور یہ طاقت ہر گھر میں گھس کر اہل خانہ سے اپنا مقصد حاصل کرتی ہے اور لوگوں کی ذہن سازی کرتی ہے، چنانچہ آج امریکہ کے ہر باشندہ کے ذہن میں دنیا کی وہی تصویر ہے جو میڈیا تیار کرتا ہے اور پھر وہی یہ بھی طے کرتا ہے کہ اس تصویر کے بارے میں کیا سوچنا ہے۔

رائے سازی پر میڈیا کا کنٹرول حیرت انگیز حد تک ہے، ملکی اور عالمی طور پر پہلے ایک رائے طے کی جاتی ہے اور پھر مختلف چینلز، ریڈیو اسٹیشن، اخبارات، میگزین وغیرہ کے ذریعہ اس کی تشہیر کی جاتی ہے، ظاہری تنوع کے باجود ان میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہوتا، اور لوگوں کی اکثیریت حقیقت جاننے کے کسی دوسرے متبادل سے محروم ہوتی ہے، اس کی واضح مثال اسرائیل کی خلافِ انسانت پالیسیاں ہیں جن کے بارے میں عام طور پر دو نظریے قائم ہیں ایک یہ کہ یا تو اسرائیل کی حمایت کی جائے یا پھر غیر جانبدار رہا جائے۔

ٹی وی کے بعد اخبارات امریکہ میں سب سے زیادہ اطلاعات فراہم کرتے ہیں، ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ۱۴۸۳اقسم کے اخبارات کی ۶ کروڑ کاپیاں روز بکتی ہیں، اور ان میں غیر یہودیوں کی نمائندگی بہت کم ہے، ۱۹۴۵ء تک معاملہ یہ تھا کہ ۸۰ فی صد اخبارات مقامی لوگوں کے پاس تھے جو اپنی برادری سے قریبی تعلق کے ساتھ ان کو چلاتے تھے لیکن گذشتہ ۶ دہائیوں میں اکثر اخبارات یا تو خرید لیے گئے یا مقابلہ سے باہر کردیے گئے، اور آج زیادہ تر مقامی اخبارات چند بڑی کمپنیوں کی ملکیت ہیں، اور ۲۰ فی صد سے بھی کم اخبارات آزادانہ ملکیت رکھتے ہیں، ان میں بھی کچھ ہی اخبارات کے پاس اپنے علاقہ سے باہر کی رپورٹنگ کے لیے اسٹاف ہے، باقی سب کو ملکی و بین الاقوامی خبروں کے لیے ان ہی بڑی کمپنیوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ کے ۴۷ شہروں میں ایک سے زیادہ اخبارات ہیں اور ان میں بھی مقابلہ بس برائے نام کا ہے، کہ ان سب اخبارات کا مالک ایک ہی ہے، مثلاً مورننگ رجسٹر، پریس رجسٹر، نیویارک ٹائمز، مورننگ پوسٹ رجسٹر، اور ہیرالڈ جرنل، یہ سب اخبارات ایڈوانس پبلیکیشنز کے نام سے ''جیوش نیو ہاؤس برادرز'' (یہودی) کی ملکیت ہیں۔

نیو ہاؤس دراصل یہودیوں کی اس نا بجھنے والی پیاس کو عیاں کرتی ہے جو ان کی اپنی رائے پر اثر انداز ہونے والے ہر ذریعہ کو کنٹرول کرنے کی ہے۔ نیو ہاؤس کے پاس بڑے اور اہم ترین اخبار ملا کر تقریباً ۳۰ روزنامے ہیں، ۱۲اٹی وی براڈ کاسٹنگ اسٹیشن اور ۸۷ کیبل سسٹم ہیں جن میں کچھ سب سے بڑے ہیں۔ سنڈے سپلیمنٹ جس کی ۲ ملین کاپیاں ہر ہفتہ شائع ہوتی ہیں، دو درجن بڑے میگزین جن میں نیویارک ٹائمز، گلیمر، وینیٹی فیئر، برائڈ، سیلف، ہاؤس اینڈ گارڈن، سب نیو ہاؤس کی ملکیت ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیو ہاؤس اتنے سارے اخبارات پر کیسے قابض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اخبارات ان چند سکوں سے نہیں چلتے جو پڑھنے والا دیتا ہے بلکہ یہ اشتہارات سے چلتے ہیں اور انہیں سے اخبار کے دوسرے مصارف بھی پورے کیے جاتے ہیں۔ جب کسی شہر میں اشتہارات کسی ایک اخبار کو دیے جاتے ہیں تو وہ ترقی کرتا ہے اور اس کے حریف ناکام ہوجاتے ہیں۔ ادھر بیسویں صدی کے آغاز سے ہی یہودی معاشی طاقت پر غالب ہیں، اور یہی طاقت اشتہارات کے ذریعہ اخبارات کو مضبوط بناتی ہے، یہاں تک کہ جو اخبارات غیر یہودیوں کے پاس رہ بھی گئے ہیں تو اشتہارات کے لیے وہ انہی یہودیوں کے محتاج ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی خبریں اور اداریے یہودیوں کی پسند اور ناپسند کے پابند ہوتے ہیں۔

پرنٹ میڈیا پر یہودی کنٹرول کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ کے سب سے بڑے اور بااثر اخبارات نیویارک ٹائمز، وال اسٹریٹ جرنل اور واشنگٹن پوسٹ انہی کے ہاتھ میں ہیں، یہ اخبارات امریکہ کے معاشی اور سیاسی فکر پر غالب ہیں، یہ دوسرے اخبارات کے لیے آئیڈئل ہیں، قومی اور بین الاقوامی سطح پر کیا چیز خبر ہے اور کیا قابل توجہ ہے یہ پالیسی یہی اخبارات طے کرتے ہیں، دوسرے اخبارات انہیں کی باتیں نقل کرتے ہیں، جس میں بڑی حد تک ہمارے ملک کے اخبارات بھی شامل ہیں۔ نیویارک ٹائمز (جس کی اشاعت ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہے) قوم کی سماجی، تفریحی اور ثقافتی زندگی کا معیار طے کرتا ہے، جبکہ ۱۸۵۱ء سے ۱۸۹۶ء تک یہ غیر یہودیوں کے پاس تھا، پھر ایک یہودی ایڈولف اوکس نے اس کو خرید لیا، اب اس کا پڑپوتا آرتھر سلزبرگر جونیئر نیویارک ٹائمز کمپنی کا چیئرمین ہے، اور ایک ربی کا بیٹا جوزف کا اس کا ایڈیٹر ہے، نیویارک ٹائمز سے خبریں، فیچرز، اور تصویریں دوسرے ۵۰۰ سے زائد اخباروں، خبر ایجنسیوں اور میگزین کو بھیجی جاتی ہیں۔

واشنگٹن پوسٹ بھی بڑی اہمیت کا حامل اخبار ہے، حکومتی ایجنسیوں کے اندر اپنے رابطوں کے ذریعہ یہ حکومت سے متعلق خبروں کے بارے میں شہرت رکھتا ہے، ۱۹۹۳ء تک یہ غیر یہودی کے پاس تھا، دیوالیہ ہوجانے کے بعد اسے یہودی یوجین مائر نے خرید لیا، اور اب اس کی بیٹی کیتھرین مائر اسے کنٹرول کررہی ہے، اس کی روزانہ اشاعت ۷۶۳۰۰۰ ہے اور اتوار کو ایک ملین سے زائد۔ کئی دوسرے اخبارات اور ٹی وی اسٹیشن کے ساتھ اس کے پاس کئی اہم میگزین بھی ہیں جن میں اہم ترین میگزین ''نیوز ویک'' بھی شامل ہے۔

وال اسٹریٹ جرنل جس کی ۱۸ لاکھ کاپیاں روز بکتی ہیں سب سے بڑا روزنامہ ہے، اس کی مالک ڈوجونز اینڈ کمپنی ہے جو دو درجن دوسرے اخبارات بھی شائع کرتی ہے، اس کا سی ای او اور چیئرمین یہودی پیٹر کان ہے جو وال اسٹریٹ جرنل کا بھی چیئرمین اور پبلشر ہے دوسرے بڑے اخبارات کا بھی کم و بیش یہی حال ہے۔

اقتدار عالم کے لیے یہودیوں کی کوششیں، ان کی نظر میں غیر یہودیوں کی حیثیت اور پھر میڈیا پر ان کا ایسا مضبوط کنٹرول۔ آنے والے دنوں میں وہ دنیا کو کس رخ پر لے جانا چاہیں گے اسے ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے!!